MarsiyaeMarsiya
www.emarsiya.com

مرثیہ ۱

جب منزلِ مقصد پہ امامِ زمن آئے
جنگل میں عجب شان سے گل پیرہن آئے
تھا شور کہ مرنے کو غریب الوطن آئے
مرجھائے ہوئے دھوپ میں نازک بدن آئے
پھولوں سے زمیں بس گئی میدانِ ستم کی
آنے کی صبا سے ہوا باغِ ارم کی

۲
زہرا کے گلوں سے جو بھرا دشت کا دامن
انبارِ خس و خاک بنا غیرتِ گلشن
اجڑے ہوئے جنگل کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
ہر نخل تھا رشکِ شجرِ وادیِ ایمن
عکسِ رخِ شبیرؑ کی ضو دور تلک تھی
دریا کی ہر اک لہر میں بجلی کی چمک تھی

۳
تھا فخر زمیں کو کہ خوشا بخت زہے جاہ
کہتے تھے یہ ذرے تجھے روشن رکھے اللہ
میں جس کی طلبگار تھی آیا وہ شہنشاہ
تو نے ہمیں چمکا دیا اے فاطمہؑ کے ماہ
نقشِ قدمِ پاک ہے سرتاج ہمارا
ہے چرخِ چہارم پہ دماغ آج ہمارا

۴
آیا نظر اس فخرِ سلیمان کا جو دیدار
تسلیم کو خم ہو گئے سب دشت کے اشجار
قربانِ ہوا سر پہ تصدق ہوئے اک بار
جاروب ہوا لے گئی جنگل کے خس و خار
جھک کر بادب پائے شہِ عرش نشیں پر
سبزے نے کیا فرشِ زمرد کا زمیں پر

۵
اترا جو فرس سے وہ رہِ حق کا فدائی
وہ نہر وہ اشجار وہ سبزہ وہ ترائی
سرسبزیِ بستانِ ارم دشت نے پائی
جنگل بھی ہوا پر تھا کہ آج اپنی بن آئی
رشک آتا تھا خورشید کو ذرے کی چمک پر
صحرا کے پہاڑوں کی بھی چوٹی تھی فلک پر

۶
آتی تھی یہ ہاتف کی ندا چرخ سے ہر بار
چھٹ جائیں گے یاں تجھ سے ترے یاور و انصار
مدفن ترا ہوگا یہیں اے سیدِ ابرار
تیغوں سے کٹے گا چمنِ احمدِ مختار
دو دن تو یہیں پیاس کی تکلیف سہے گا
یہ ہے وہ زمیں جس پہ ترا خون بہے گا

٧
تڑپیں گے یہیں تشنہ لبی سے ترے اطفال
یاں ذبح کریں گے تجھے اے فاطمہؑ کے لال
تیروں سے یہیں ہوئے گا سینہ ترا غربال
گھوڑوں سے یہیں لاش تری ہوئے گی پامال
رتبہ ترا میدان شہادت میں بڑھے گا
سر تن سے اتر کر یہیں نیزے پہ چڑھے گا

٨
دریا کے کنارے سے ہوا سرد جو آئی
خیمے کے لیے کونسی جا گر تمھیں بھائی
عباسِ دلاور سے کہا شہؑ نے کہ بھائی
کی عرض بہادر نے کہ بہتر ہے ترائی
لہراتا ہے دل یاں کی فضا خوب ہے مولا!
شیروں کو ہوا نہر کی مرغوب ہے مولا!

٩
اترے گی جو یاں فوج شہنشاہِ حجازی
پژمردہ بہت راہ کی گرمی سے ہیں غازی
سیراب رہیں گے لب جو اشتر و تازی
عادی ہیں کئی وقت طہارت کے نمازی
منظور نظر طاعت اللہ ہے سب کو
دریا پہ اترنے کی بڑی چاہ ہے سب کو

١٠
شہ نے کہا اچھا یہیں خیمہ کرو برپا
ہم چشمۂ الطاف ہیں ہم فیض کے دریا
منظور نہیں اپنے ہوا خواہوں کی ایذا
مانع ہوں اگر اہل شقاوت تو کریں کیا
آرام ہمارا انھیں منظور نہیں ہے
خیمہ وہ اٹھا دیویں تو کچھ دور نہیں ہے

١١
تم بھی یہ خبر سن چکے ہو خضر کی زبانی
در پے ہیں کہ مٹ جائے محمدؐ کی نشانی
سب کوفی و شامی ہیں مرے دشمن جانی
دیکھو گے کہ وہ لوگ نہ دیں گے مجھے پانی
بے جرم و خطا قاتل اولادِ علیؑ ہیں
فوجیں مرا سر لینے کو شہروں سے چلی ہیں

١٢
تھرا کے یہ کہنے لگے عباسِ دلاور
جو حق کی طرف ہیں انھیں مرنے کا نہیں ڈر
کیا منہ ہے کسی فوج کا یا سبطِ پیمبرؐ
اس وقت سمجھ لیں گے جب آئیں گے ستمگر
دشمن ہمیں سرکائیں اب اس جا سے تو جانیں
شیروں کو ہٹا دے کوئی دریا سے تو جانیں

١٣
فرما کے یہ فراشوں کو عباس پکارے
سب لوگ تھکے ماندے ہیں لشکر کے ہمارے
ہاں خیموں کو برپا کرو دریا کے کنارے
فراشوں نے بار اونٹوں سے یہ سن کے اتارے
ناگاہ نشان ظلم کے برپا نظر آئے
خیمہ ابھی کھلتا تھا کہ اعدا نظر آئے

١٤
میدان سے سواروں نے یہ بڑھ بڑھ کے پکارا
فوج آتی ہے جلدی کرو ساحل سے کنارا
تم کون ہو کیا کام ہے دریا پہ تمھارا
ہوگا لبِ جو شام کے لشکر کا اتارا
گھوڑوں سے زمیں یاں کی ہلے گی کوئی دم کو
دو لاکھ سواروں کی جگہ چاہیے ہم کو

١٥
گرمی کی جو ایذا ہو تو جنگل کی ہوا کھاؤ
اسباب کنارے سے کرو جمالوں کو سرکاؤ
اے کوثریو نہر کے پانی پہ نہ لہراؤ
ڈر ہے کہیں گھوڑوں کی نہ ٹاپوں میں کچل جاؤ
اک دم میں قدم یاں کہیں دھرنا نہ ملے گا
صحرا میں بھی پھر تم کو اترنا نہ ملے گا

۱۶
ہتھوانس کے تیغ و سپر اکبرؑ یہ پکارے
کھینچیں گے جو تیغیں اسداللہ کے پیارے
کیا بکتے ہو بیہودہ سخن منھ پہ ہمارے
خوں کا ابھی مینھ برسے گا دریا کے کنارے
لاکھ آئیں کرو لاکھ کبھی ہم نہیں ڈرتے
روباہوں کے دھمکانے سے ضیغم نہیں ڈرتے

۱۷
ہونے لگی اعدا میں اور اکبرؑ میں جو تکرار
جھپٹے صفتِ شیر یہ کہتے ہوئے اک بار
غیظ آگیا برہم ہوئے عباسؑ خوش اطوار
ہاں ہاں کدھر آتے ہو خبردار خبردار
دم میں نظر آئے گا نہ سر تن پہ کسی کے
شہزادے سے کچھ نہ سخن بے ادبی کے

۱۸
کیا ڈر ہمیں آتی ہے تو آئے سپہ شام
دریا سے ہٹے گا نہ محمدؐ کا گل اندام
فوجیں ہوں کہ لشکر ہو کسی سے ہمیں کیا کام
گرمی میں ترائی کو نہیں چھوڑتے ضرغام
ملک اپنی ہے غیروں کا اجارا نہیں ہرگز
دریا یہ ہمارا ہے تمھارا نہیں ہرگز

۱۹
وہ بولے کہ بے کار ہے تقریر یہ ساری
صحرا پہ بھی دریا پہ بھی حکم اس کا ہے جاری
حاکم کا عمل ہے نہیں یاں ملک تمھاری
فرمایا بہادر نے کہ غاصب ہے وہ ناری
سب خلق ہے قبضہ میں شہنشاہ جری کے
آقا مرے مختار ہیں خشکی و تری کے

۲۰
کہتا ہوں میں دیکھو قدم آگے نہ بڑھانا
حیدر کے پسر ہیں ہمیں کیا تم نے ہے جانا
آساں نہیں شیروں کا ترائی سے ہٹانا
قبضے ابھی پکڑیں تو الٹ جائے زمانا
کردیں ابھی یوں زیر و زبر ہفت طبق کو
جس طرح الٹ دیتے ہیں انگلی سے ورق کو

۲۱
بے تم کو ہٹائے نہیں لیویں گے دم اب تو
سر بھی جو کٹے گا تو نہ سرکیں گے ہم اب تو
گڑتا ہے لب نہر حسینی علم اب تو
شیروں نے یہیں گاڑ دیے ہیں قدم اب تو
دم جسم میں جب تک ہے ترائی نہ چھٹے گی
تا حشر یہ دریا کی ترائی نہ چھٹے گی

۲۲
تیغوں کو علم کرکے یہ کہنے لگے اظلم
یہ سنتے ہی بپھرا اسداللہ کا ضیغم
دیکھیں تو بھلا آپ زبردست ہیں یا ہم
قبضے میں یا قبضۂ شمشیر شرر دم
بڑھتے ہوئے دیکھا جو سواروں کو ادھر کے
ہتھوانس لیا شیر نے گردے کو سپر کے

۲۳
گھبرا کے ادھر سے شہ والا یہ پکارے
تلوار نہ کھینچو ابھی صدقے میں تمھارے
ہاں ہاں مرے صفدر مرے عاشق مرے پیارے
راضی ہوں میں اُترو وہیں دریا کے کنارے
کچھ غم نہیں جلتی ہوئی ریتی پہ رہیں گے
راحت انھیں ہوئے ہمیں تکلیف سہیں گے

۲۴
آئے جو یہ فرماتے ہوئے شاہ خوش اقبال
رعشہ تن پُرنور میں خورشید کے تمثال
دیکھا کہ ہے غصہ میں بہادر کا عجب حال
ابرو پہ شکن تیغ بکف غیظ سے رخ لال
بل کھائے ہوئے دوش پہ گیسو تو پڑے ہیں
بپھرے ہوئے جوں شیر ترائی میں کھڑے ہیں

۲۵
غصّے میں کچھ آنکھوں سے نہ دیتا تھا دکھائی
کہتے ہیں مرے سامنے لیں گے ترائی
حضرت نے کہا آپ ٹھہر جائیے بھائی
اس وقت مناسب ہے انھیں چشم نمائی
میں اب انھیں بے جان سے ملنے نہ پھروں گا
بے تیغ کے گھاٹ ان کو اتارے نہ پھروں گا

۲۶
بولے یہ برادر سے پسرِ شہِ ابرار
کیا تم جو ہٹا دیں تمھیں دریا سے ستمگار
بے دھیان کدھر ہو؟ کرتے ہو کن لوگوں سے گفتار
لو تھام لو غصّے کو ہمیں کرتے ہو گر پیار
اللہ سزا دے گا انھیں بے ادبی کی
لڑنا ہمیں لازم نہیں امت سے نبیؐ کی

۲۷
بیہودہ لعیں بکتے ہیں جانے دو چلے آؤ
آوارہ وطن ہوں مری غربت پہ ترس کھاؤ
حیدرؑ کی قسم ہے تمھیں غصّے سے نہ تھراؤ
محمل میں تڑپتی ہے سکینہؑ اسے سمجھاؤ
دو چل کے تسلّی نہیں مر جائے گی زینبؑ
گھبرا کے عماری سے نکل آئے گی زینبؑ

۲۸
ناگاہ صدا دخترِ زہراؑ کی یہ آئی
عباسؑ کو سمجھا کے ادھر لائیے بھائی
بلوہ ہے مسافر پہ محمدؐ کی دہائی
ریتی پہ رہیں خاک میں مل جائے ترائی
کھدوائیں کنوئیں نہر اگر پاس نہ ہووے
دریا کو لگے آگ جو عباسؑ نہ ہووے

۲۹
ہے ہے یہ وہی دشتِ بلا ہے یہ وہی نہر
ساحل پہ نہ اتروں گی میں کرتے ہو یہ کیا قہر
جس نہر کی شمشیر سے بدتر ہے ہر اک لہر
یہ چشمۂ شیریں ہے غریبوں کے لیے زہر
پردیس میں تکلیف گوارا کرو لوگو
اس نہر کے پانی سے کنارا کرو لوگو

۳۰
یاں آئے گی احمدؐ کے سفینے پہ تباہی
ہر سمت سے امڈے چلے آتے ہیں سپاہی
تقدیر نے بربادیِ سادات ہے چاہی
ہے ہے نہ بچے گا پسرِ شیرِ الٰہی
روشن ہے کہ شبیرؑ چراغِ سحری ہیں
اماں مجھے اس دن کی خبر دے کے مری ہیں

۳۱
یہ کہہ کے لگی پیٹنے سر زینبِؑ ناکام
سمجھانے سے حضرت کے اٹھی جب سپہ شام
ناموسِ محمدؐ میں بپا ہو گیا کہرام
بھائی کو لیے ساتھ پھرے شاہِ خوش انجام
ساحل پہ اتارا ہوا دل فوجِ لعیں کا
یاں دھوپ میں برپا ہوا خیمہ شہِ دیں کا

۳۲
ڈیوڑھی پہ جو ناقوں کو بٹھایا حرم اترے
افلاکِ شرافت کے ستارے بہم اترے
بچّے لیے ناموسِ امامِ اُمم اترے
کس اوج سے کس شان سے وہ ذی حشم اترے
گردوں نے رکھا فخر سے چوکھٹ پہ جبیں کو
دربانی کا عہدہ ملا جبریلِؑ امیں کو

۳۳
کیا خیمۂ سرور کی بلندی کروں تحریر
مہتاب تھا نقشِ قدمِ حضرتِ شبیرؑ
رفعت میں دبا جاتا تھا جس سے فلکِ پیر
کہتی تھی زمیں اب ہے دو بالا مری توقیر
چمکا جو کلس اور بھی جلوہ نظر آیا
خورشید کی دستار پہ طرہ نظر آیا

۳۴
تاریخ دوم کا تھا محرم کے یہ مذکور
ہشتم تک ادھر جمع ہوا لشکر مقہور
آفت میں پھنسے پھر تو شہِ بیکس و مجبور
روزِ نہم اعدا کو لڑائی ہوئی منظور
درپے ہوئے سب قتلِ امامِ ازلی کے
دسویں کو گلے کٹنے لگے آلِ نبی کے

۳۵
قاسمؑ کو ابھی رو نہ چکے تھے شہِؑ ابرار
دریا پہ چلے تھے کہ پکارے کئی خونخوار
جو قتل ہوئے نہر پہ عباسِ علمدار
مارا گیا اکبرؑ شہِ مظلوم کا دلدار
کہہ دو یہ خبر فاطمہؑ زہرا کے پسر سے
برچھی کو نکالیں علیؑ اکبر کے جگر سے

۳۶
جس دم یہ سنا قتل ہوئے اکبرؑ ذیجاہ
نے روئے نہ ماتم کیا بیٹے کا نہ کی آہ
ہاتھوں سے جگر تھام کے تھرانے لگے شاہ
منھ سے یہی نکلا کہ توکلت علی اللہ
کچھ فرق نہ آیا سرِ مو صبر و رضا میں
اصغرؑ کو بھی قربان کیا راہِ خدا میں

۳۷
جب تین پہر میں وہ چمن ہو گیا پامال
کھینچے ہوئے تیغیں بڑھے آتے تھے بد افعال
تنہا ہوئے بس پھر تو شہنشاہ خوش اقبال
تھا منتظر حکم خدا فاطمہؑ کا لال
مانندِ علیؑ غیظ میں جب آتے تھے مولا
قبضے کی طرف دیکھ کے رہ جاتے تھے مولا

مطلع دوم
۳۸
جب رن میں مرقع ہوا ابتر شہِ دیں کا
باقی تھا نہ عباسؑ نہ اکبرؑ شہِ دیں کا
دنیا سے سفر کر گیا لشکر شہِ دیں کا
تھا شور کہ غربت میں لٹا گھر شہِ دیں کا
کھائے تبرِ ظلم ہر اک سروِ رواں نے
کیا تازہ چمن تھا جسے لوٹا ہے خزاں نے

۳۹
یاں اب ہمہ تن چشم ہوں سب عاشقِ شبیر
میداں میں اجالا ہے جبیں پر ہے یہ تنویر
دکھلاتا ہوں سبطِ شہِ لولاک کی تصویر
خاموش ہے غیرت سے چراغِ فلکِ پیر
سجدے کے نشاں کی بھی چمک سب پہ جلی ہے
یہ اخترِ اقبال حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۴۰
گردوں کو ہلاتا ہے جلالِ شہِ عالی
گیسو رخِ روشن پہ نہیں حسن سے خالی
ابرو پئے دشمن ہیں دو شمشیر ہلالی
خورشید درخشاں پہ گھٹا چھائی ہے کالی
رخ آیۂ رحمت ہے تو زلف ابرِ کرم ہے
دیکھو سحرِ عید و شبِ قدر بہم ہے

۴۱
کس حسن سے تابندہ ہے گیسو کا ہر اک تار
خوشبو سے مہکتی ہے سرِ پاک پہ دستار
ہے سنبلِ پیچاں انھیں حلقوں میں گرفتار
بیجا نہیں پیچیدگی گیسوئے خمدار
ہے خاطرِ سرور جو پریشاں کئی شب سے
کاکل بھی ہے بل کھائے ہوئے جوشِ غضب سے

۴۲
آنکھوں سے ہر اک پل ہے یہ پلکوں کا اشارا
ہے ابنِ علیؑ فاطمہؑ کی آنکھوں کا تارا
ہم بھی پئے خونریزیِ مردم ہیں صف آرا
کی جس نے ادھر اک نظرِ بد اسے مارا
وار اپنے برابر سوئے بے پیر چلیں گے
آنکھ اس کی نہ جھپکے گی جو سو تیر چلیں گے

۴۳
عارض ہیں عجب گل کہ ہیں بلبل ملک و حور
سن پائے اگر جلوۂ رخسار کا مذکور
موسیٰ کو غش آجائے جو دیکھے کبھی یہ نور
مستور رہو پردے میں تجلی سرِ طور
مہتاب تو تشبیہ کے قابل بھی نہیں ہے
خورشید کفِ پا کے مقابل بھی نہیں ہے

۴۴
ہے چہرۂ پُرنور پہ بینی کی عجب شان
دم دیتے ہیں وہ اس پہ جو ہیں صاحبِ بیان
قرآں ہے رخ اور یہ الفِ اولِ قرآن
اس بینیِ نازک پہ اور آنکھوں پہ کرو دھیان
چھانے ہیں چمن تب گلِ مضموں یہ ملے ہیں
اک شاخ پہ بادام کی دو پھول کھلے ہیں

۴۵
رشکِ لبِ عیسیٰ ہیں یہ اعجاز نما لب
کھلتے تھے اسی لب سے رسولِ دوسرا لب
مُردے ابھی جی جائیں ہلا دیں جو ذرا لب
اس لب کے لیے ساغرِ کوثر ہیں لبالب
گو پیاسے ہیں پر پانی کی پرواہ انھیں کیا ہے
تسبیح ہے تہلیل ہے اور شکرِ خدا ہے

۴۶
ہے مخزنِ اسرارِ الٰہی دہنِ پاک
دانتوں کی صفائی سے خجل انجمِ افلاک
دیتے تھے اسی منھ میں زباں سیدِ لولاک
انجام پہ ان دانتوں کے ہوتا ہے جگر چاک
خالق نے سنوارا انھیں خود دستِ کرم سے
ٹوٹی وہ لڑی موتیوں کی سنگِ ستم سے

۴۷
حقا کہ زبانِ دہنِ پیمبر یہ زباں ہے
دریائے فصاحت کی شناور یہ زباں ہے
قرآں کی طرح پاک و مطہر یہ زباں ہے
کوثر ہے دہن ماہیِ کوثر یہ زباں ہے
جز کلمۂ حق اور کلاموں سے بری ہے
شیریں سخنی ہر رگ و ریشہ میں بھری ہے

۴۸
رنگت گلِ عارض میں ہے جنت کے چمن کی
لالے کا جگر داغ ہے سرخی سے دہن کی
خالِ رخِ روشن میں ہے بو مشکِ ختن کی
فردوس میں جاتی ہے مہک سیبِ ذقن کی
آسیبِ نظر سے اِسے کیا خوف و خطر ہے
یہ نخلِ گلستانِ محمد کا ثمر ہے

۴۹
چہرے پہ عجب حسن سے ہے ریشِ مخضّب
لیکن ہے شب و روز میں یہ جلوہ گری کب
کیا قدرتِ حق ہے کہ اِدھر دن تو اُدھر شب
کعبے میں ہے خورشیدِ شرف غور کریں سب
دو آئینے ظلمت سے ہم آغوش ہوئے ہیں
رخسار غمِ شہ میں سیہ پوش ہوئے ہیں

۵۰
کانوں کی ثنا سننے کو سب ہوں ہمہ تن گوش
رکھتے ہیں عجب حسن کے سلطانِ زمن گوش
کھولے ہوئے ہیں شوق میں گلہائے چمن گوش
فرمانِ الٰہی کے جو کرتے ہیں سخن گوش
یہ کان ہیں وہ جو شرفِ کون و مکاں ہیں
اسرارِ حق ان کانوں کے پردے میں نہاں ہیں

۵۱
سردار بدن ہے شہِ جمہور کی گردن
اس حسن کی ہوگی نہ کسی حور کی گردن
جھک جاتی ہے یاں شمع سرِ طور کی گردن
گویا وہ صراحی سا گلا نور کی گردن
بچپن میں کہ جسے چوما تھا نبی نے
تلوار سے کاٹا اسی گردن کو شقی نے

۵۲
سینہ ہے وہ کعبہ کہ مکاں جس میں ہے رب کا
سب جانتے ہیں حکم ہے قرآں کے ادب کا
کیا منہ ہے مقابل ہو جو آئینہ حلب کا
سر ہاتھوں سے پیٹو کہ یہ نکتہ ہے غضب کا
آنکھوں سے لگایا تھا جسے روح امیں نے
زانو اُسی مصحف پہ دھرا شمر لعیں نے

۵۳
شانے کی ہے ضو چودھویں کے چاند سے دہ چند
ہے دست پہ قبضہ جو یداللہ کا فرزند
ہاتھ ایسے کشادہ جو سخاوت کے ہیں پابند
تھراتے ہیں دہشت سے جوانان تنومند
تیغوں کو نیاموں سے نکالا نہیں جاتا
بھالا کسی ظالم سے سنبھالا نہیں جاتا

۵۴
نعرہ تھا کہ اے لشکر شام و عرب و روم
کھانے سے بھی محروم ہوں پانی سے بھی محروم
تم لاکھوں ہو اور بیکس و تنہا ہے یہ مظلوم
پر ابن علی ہوں یہ تمھیں خوب ہے معلوم
تلوار علم کرکے جو لشکر پہ جھکوں گا
جبریل بھی روکیں گے تو پھر میں نہ رکوں گا

۵۵
ہے خیر اسی میں کہ کنارا کرو شر سے
پانی دو کہ پیاسا ہوں میں چوبیس پہر سے
اب ہاتھ اُٹھاؤ اسدِ حق کے پسر سے
للہ مزاحم نہ ہو اس تشنہ جگر سے
بیکس ہوں سوے دشت و جبل جانے دو مجھکو
کعبے میں حرم لے کے نکل جانے دو مجھکو

۵۶
تلواروں کو چمکا کے ستمگر یہ پکارے
ہم کیا کریں مرتے ہو اگر پیاس کے مارے
دشوار ہے جانا کہیں قابو سے ہمارے
یہ خشک گلا کاٹیں گے دریا کے کنارے
زہرا کی بہو ظلم اسیری کے سہے گی
زینب کے سر پاک پہ چادر نہ رہے گی

۵۷
کی بے ادبوں نے جو باعلان یہ تقریر
کس قہر سے دیکھا طرفِ لشکر بے پیر
سر تا بقدم کانپ گئے حضرت شبیر
بل آگیا ابرو پہ اگلنے لگی شمشیر
غیرت سے یہ تھا غیظ شجاع ازلی کو
جس طرح جلال آیا تھا خیبر میں علی کو

۵۸
نعرہ کیا غازی نے کہ اے لشکر اظلم
وہ زخم لگا دل پہ کہ جس کا نہیں مرہم
کلمہ یہ نہ تھا خنجر خونریز سے کچھ کم
چھینو گے ردا اُس کی جو ہے ثانی مریم
منھ پر مرے کرتے ہو سخن بے ادبی کے
مجبور سمجھتے ہو نواسے کو نبی کے

۵۹
ہے شرط کہ اس تیز زبانی کی سزا دوں
انداز قیامت کے تلاطم کو دکھا دوں
دوزخ کے زبانے سے زبانوں کو جلا دوں
گیتی کو الٹ دوں ابھی گردوں کو ہلا دوں
بجلی وہ گرے گی کہ بہت یاد کرو گے
جلجاؤ گے زینب پہ جو بیداد کرو گے

۶۰
کہہ کر یہ سخن کھینچ لی شمشیر شرر افشاں
ہر صف پہ گری کوند کے برقِ شرر افشاں
پرتو سے ہوا سب ورقِ خاک زر افشاں
چھینٹوں سے ہوئی خون کی ہر اک سپر افشاں
قرباں ہوئے خوں خوار دمِ تیغِ دو دم پر
ہر جسم نے سر رکھ دیا حضرت کے قدم پر

٦١
جس صف پہ چمک کر گری گھمسان کر آئی
لشکر کے زرہ پوشوں کو بے جان کر آئی
جمعیت اعدا کو پریشان کر آئی
چار آئینہ والوں کو بھی حیران کر آئی
نکلی وہ اجل بن کے جو شمشیر کی صورت
ہر ایک ایک کا منہ تکتا تھا تصویر کی صورت

٦٢
ناگن سی گئی فوج کو رسمار کر آئی
ساحر کو فنا مست کو ہشیار کر آئی
جو جو تھے لب نہر انھیں فی النار کر آئی
جس موذی نے لی بل کی اُسے مار کر آئی
سرسبز تھی لاکھوں میں یہ اقبال تھا اُسکا
تھا جسم کبود اور دہن لال تھا اُسکا

٦٣
نوکوں سے ہر اک چشم کو بے نور کر آئی
گرمائے جو کافر انھیں کافور کر آئی
شعلوں سے ہر ایک جسم کو تنور کر آئی
نزدیک گئی جسم کے سر دُور کر آئی
چلتی تھی سموم غضب اس فوج شقی پر
کب آئی گئی کب نہ یہ کھلتا تھا کسی پر

٦٤
جو بڑھتا تھا شمشیر بکف فوج کے دل سے
سر کوئی ہوتا تھا نہ اس برق اجل سے
شانے کو قلم کر کے نکلتی تھی بغل سے
غل تھا کہ عجب پھول کھلے تیغ کے پھل سے
زخموں سے یہ تھا رنگ لعینوں کے بدن کا
ہوتا تھا گماں ہر شجر قد پہ چمن کا

٦٥
گرتی تھی پیاپے جو لعینوں پہ وہ شمشیر
دہشت سے کمانیں تھیں خمیدہ صفت پیر
نیزے نہ اٹھاتے تھے سر اپنا کسی تدبیر
پردار تھے ہر چند پہ اُڑ سکتے نہ تھے تیر
روپوش جو ڈھالیں عقب دوش ہوئی تھیں
تلواریں بھی جوہر سے زرہ پوش ہوئی تھیں

٦٦
ڈھالوں پہ سواروں کی وہ صمصام نہ ٹھہری
زیر زرہ جسم بد انجام نہ ٹھہری
بجلی سی میانِ سپہ شام نہ ٹھہری
اللہ ری روانی کہ تہِ دام نہ ٹھہری
دریا کو بھی اس طرح کا چالاک دیکھا
ایسا کسی مچھلی کو بھی تیراک نہ دیکھا

٦٧
کاٹی کبھی ڈھال اور کبھی شمشیر کو کاٹا
پھر کر کبھی نیزے کو کبھی تیر کو کاٹا
گہ خود سر ظالم بے پیر کو کاٹا
چلہ کبھی کاٹا کبھی زہ گیر کو کاٹا
اڑنے سے خطا کاروں کے جی چھوٹ گئے تھے
فولادی کمانوں کے بھی دل ٹوٹ گئے تھے

٦٨
چلتوں میں جو ناوک کوئی صف جوڑ کے نکلی
سارے قدر اندازوں کے منہ موڑ کے نکلی
فقرے یہ قیامت کے اُدھر چھوڑ کے نکلی
سر کاٹ کے خوں چاٹ کے دل توڑ کے نکلی
پیہم جو خطائیں ہوئیں ناوک فگنوں سے
روحیں بھی ہوا ہو گئیں چلّا کے تنوں سے

٦٩
شہباز سی نظروں میں جنھیں تول کے آئی
غُل ہونے لگا بیچ میں جس غول کے آئی
اک دم میں وہیں ظالموں کو رول کے آئی
لو مرگ مفاجات دہن کھول کے آئی
خونریزی کفّار کا عہدہ ہے اسی کو
بے ذبح کیے اب یہ نہ چھوڑے گی کسی کو

۷۰
قبضہ یہ نہیں تاجِ سرِ فتح و ظفر ہے
ناپوں کا نشان جادۂ صحرائے سقر ہے
مشکل ہے پناہ اِس سے کہ یہ موت کا گھر ہے
بے بحر بھی چکّر میں عجب طرح کا بَر ہے
مٹتے ہیں لہو دل کا وہ پیتے ہیں بلا کے
جوہر نہیں یہ حرف ہیں سیفی کی دُعا کے

۷۱
لشکر میں جدھر جاتی تھی بجلی سی چمک کر
گرتی تھی لپک کر تو پھر اٹھتی تھی لچک کر
پس جاتے تھے مر جاتے تھے نامرد دبک کر
کیا آفت دوران تھی کہ تھا چرخ کو چکّر
تھا شور کہ سر کے رہو باڑھ اس کی کڑی ہے
کٹتے ہیں جگر چال ہے یا تیز چھری ہے

۷۲
یہ ضرب تہمتن سے اٹھائی نہیں جاتی
جب سے یہ بلا جان پہ آئی نہیں جاتی
رستم سے بھی چوٹ اس کی بچائی نہیں جاتی
خون پی گئی اور منھ کی صفائی نہیں جاتی
کاٹا ہے رسالوں کو فلک زیر و زبر ہیں
حیوانوں کو کھا جاتی ہے یہ ہم تو بشر ہیں

۷۳
ڈالا تھا عجب تہلکہ بجلی کی چمک نے
روکے تھے اُدھر تین فلک مہرِ فلک نے
ڈھانپا تھا بدن ڈر کے پچھل تہ میں سمک نے
کرسی کو سنبھالا تھا اُدھر فوجِ ملک نے
غل تھا کہ نہ یہ صاعقہ روکے سے رکے گا
اب صورِ سرافیل کوئی دم میں پھُنکے گا

۷۴
چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیرِ قضا رنگ
چم خم کا جدا رنگ تھا کس بل کا جدا رنگ
ہر ہاتھ میں دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ
لب سرخ دہن صاف بدن گول ہرا رنگ
تھا شور کہ چل پھر میں نئی جلوہ گری ہے
دیوانو! یہ تیغ نہ سمجھو یہ پری ہے

۷۵
ہر طائرِ جاں کے لیے صیاد ہے یہ تیغ
سفاکی میں بجلی کی بھی استاد ہے یہ تیغ
لاکھوں کو کیا ذبح وہ جلاد ہے یہ تیغ
گردوں کو جلا دے وہ پری زاد ہے یہ تیغ
مطلق نہیں فرق اس میں کچھ اور برقِ اجل میں
برسوں سے یہ رہتی ہے سلیماں کی بغل میں

۷۶
جس غول میں وہ تیغ دو دھاری نظر آئی
آتش میں صفِ لشکرِ ناری نظر آئی
اک جدولِ خوں خاک پہ جاری نظر آئی
حلقوں میں قیامت کئی باری نظر آئی
وہ برق اڑاتی تھی جو ہر دم شرر اپنے
جبریل پسِ پشت چھپاتے تھے پر اپنے

۷۷
ہوتے تھے جدا ضربتِ شمشیرِ دو سر سے
دستانے کلائی سے کمر بند کمر سے
سر دوش سے تن روح سے چار آئینے بر سے
ہاتھوں سے نشان تیغ سے پھل پھول سپر سے
آگ آب میں تھی دم تنِ خاکی سے ہوا تھے
تھا کاٹ غضب کا کہ عناصر بھی جدا تھے

۷۸
تلوار نے میداں سے جب اس فوج کو ٹالا
خوں پونچھنے کو تیغ پہ دامن جو ہیں ڈالا
گھوڑے کی عناں روک کے ٹھہرے شہِ والا
عزت ہوئی شمشیرِ دو پیکر کی دوبالا
توقیر ملی فیضِ امامِ ازلی سے
خلعت ہوا سرکارِ حسینؑ ابنِ علی سے

۷۹
گویا ہوئی تیغِ دو زبانِ اسد اللہ
فرمایا کہ اے ہمدمِ ابنِ شہِ ذی جاہ
روکا ہے مجھے کیوں آپ نے کیا قصد ہے یا شاہ
زخمی ہو جگر جس کا وہ کیا خاک لڑے آہ
اس دم ہے تعلق سبطِ رسولِ عربی کو
عرصہ ہوا دیکھا نہیں ہم شکلِ نبی کو

۸۰
دل روتا ہے برچھی سی کلیجے میں گڑی ہے
بے دفن ہے فرزند ندامت یہ بڑی ہے
ایک ایک گھڑی ہم پہ قیامت کی گھڑی ہے
ہم جیتے ہیں اور دھوپ میں لاش انکی پڑی ہے
جنت میں کہا ہوگا یہ سلطانِ زمن سے
ماں باپ نے محروم رکھا گور و کفن سے

۸۱
غم ہے کہ اسی وقت ہمیں موت نہ آئی
منصف ہے کوئی کس کو دکھاؤں یہ لڑائی
وہ مر گئے اور ہم نے بڑی دیر لگائی
جیتا نہیں جانِ دلاور مرا بھائی
ٹوٹی ہے کمر آہ نکلتی ہے جگر سے
سیدھا ہوا جاتا نہیں زہرا کے پسر سے

۸۲
اور اس کے سوا پیاس کی شدت نے ہے مارا
اس دکھ میں کیا تاب و تواں نے بھی کنارا
دو دن کے ہیں فاقے سے یداللہ کا پیارا
طاقت بھی نہ ہو جب تو کہاں جنگ کا یارا
حسرت ہے کہ کٹ جائے گلا تیغِ جفا سے
اتنا بھی لڑا میں تو فقط حکمِ خدا سے

۸۳
اے تیغ قریب آیا ہے اب عصر کا ہنگام
سجدے میں جو ہوں ذبح تو آئے مجھے آرام
چھوڑے گا نماز اپنی نہ یہ بیکس و ناکام
دل میں ہو یہی ذکر زباں پر ہو یہی نام
تکبیر کی سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ صدا ہو
رگ رگ سے مرے کلمۂ توحید ادا ہو

۸۴
تیغِ دو زباں سے یہ ابھی کہتے تھے شبیر
شہ نے کہا حاضر ہوں میں اے لشکرِ بے پیر
جو لاکھ ہیں ٹوٹ پڑے دست بہ شمشیر
ہاں شوق سے مارو مجھے تیغ و تبر و تیر
یہ تین شب و روز کا پیاسا نہ لڑے گا
اب تم سے محمد کا نواسہ نہ لڑے گا

۸۵
یہ سنتے ہی گرد آ گئے سب برچھیوں والے
چلنے لگے سینے پہ ستمگاروں کے بھالے
تیغوں سے کٹا جسم بھی خوں کے بہے نالے
دوڑے شہِ لولاک کلیجے کو سنبھالے
کھولا پئے فریاد جو سر بنتِ نبی نے
تیغوں میں سپر کر دیا سینے کو علی نے

۸۶
کس منہ سے کہوں صبر و رضائے شہِ ابرار
فرماتے تھے زخموں کی کچھ ایذا نہیں زنہار
جاری تھے زباں پر کلمے شکر کے ہر بار
بارانِ کرم ہے مجھے تیروں کی یہ بوچھار
کیا غم انھیں زخموں کا جو مشتاقِ اجل ہیں
تلواریں نہیں نخلِ شہادت کے یہ پھل ہیں

۸۷
یارب تو غنی بندہ ہے اک بندۂ محتاج
سر نذر کو دربار میں لایا ہے غلام آج
تیری ہی عنایت سے ہوا خلق کا سرتاج
مقبول ہو ہدیہ تو ملے رتبۂ معراج
ہنگامِ تردد ہے مدد کیجیو مولا
یہ تحفۂ درویش ہے نذر دیجیو مولا

۸۸
رکھتا نہیں کچھ اور یہ کعبے کا مسافر
اب تک میں تری راہ میں ہوں صابر و شاکر
اک جاں ہے سو قربان ہے اک سر سو ہے حاضر
بیکس پہ کرم کیجیو مولا دمِ آخر
سینے پہ مرے زانوے قاتل نہ گراں ہو
خنجر کے تلے نام ترا وردِ زباں ہو

۸۹
واقف نہیں اس مرحلۂ صعب سے شبیرؑ
پیاسا ہوں کئی روز سے میں بیکس و دلگیر
تھراتا ہے سینے میں دل اے مالک تقدیر
ان خشک رگوں پر کہیں رک جائے نہ شمشیر
مضطر مرا ہونا خللِ انداز ادب ہو
تڑپوں بشریت سے جو اس دم تو غضب ہو

۹۰
بچپن میں ہوا تنگ جو کرتے کا گریباں
یارب وہ گریباں تھا یہ ہے خنجرِ براں
آنسو نکل آئے مرے رونے لگیں اماں
گو سخت ہے مشکل پہ کرے گا تو ہی آساں
یوں خنجرِ قاتل کی چلے دھار گلے پر
منھ ملتا ہے جیسے کوئی غمخوار گلے پر

۹۱
آئی یہ ندا کان میں شاہِ شہدا کے
قدسی ہیں ثنا خواں تری تسلیم و رضا کے
رحمت تجھے اے بندۂ مقبول خدا کے
لے تاجِ شفاعت مری سرکار میں آ کے
غمگیں نہ ہو ہم تجھ کو بہت شاد کریں گے
زیرِ دمِ خنجر تری امداد کریں گے

۹۲
اب دیر نہ کر اے پسرِ مخبرِ صادق
معشوق کو منظور ہے خوشنودیِ عاشق
جنت تری مشتاق ہے کوثر ترا شائق
دیں گے تجھے جو جو کہ ہیں رتبے ترے لائق
تو دل سے فدا کرتا ہے سر راہِ خدا میں
ہدیہ ترا مقبول ہے درگاہِ خدا میں

۹۳
رہ مطمئن اے فاطمہؑ کے نازوں کے پالے
مقبول ہیں ناجی ہیں ترے چاہنے والے
امت ہے ترے نانا کی سب تیرے حوالے
جنت کے گلستاں میں جسے چاہے بلا لے
خالق نے غضب بھی تجھے بخشا ہے کرم بھی
دوزخ بھی ترا خلد بھی کوثر بھی ارم بھی

۹۴
یہ مژدۂ جاں بخش جو ہاتف نے سنایا
کی عرض کہ صدقے تری رحمت کے خدایا
خوش ہو کے سخی نے سرِ تسلیم جھکایا
محتاج نے سب کچھ تری درگاہ سے پایا
بندے کو سرافراز کیا تو نے جہاں میں
رتبے وہ ملے جو کہ نہ تھے وہم و گماں میں

۹۵
کہتے تھے یہ گردن کو جھکائے شہِ والا
سر نوکِ سناں نے طرفِ پشت نکالا
ناگاہ لگا قلب پہ اک ظلم کا بھالا
گرنے لگے مولا تو فرشتوں نے سنبھالا
پہنچا یہ ادھر حکم خدا روح امیں کو
اٹھنے نہ کہیں تھام لے شبیر سے زمیں کو

۹۶
لگتی تھیں تنِ شہ پہ ادھر برچھیاں کاری
اک نور کو گھیرے ہوئے تھے سیکڑوں ناری
مثلِ گلِ تر خوں سے قبا سرخ تھی ساری
ہر نے پہ جھکا جاتا تھا وہ عاشقِ باری
زخموں سے ٹپکتا تھا لہو دامنِ زیں پر
دامن سے رکابوں پہ رکابوں سے زمیں پر

۹۷
تھامے تھے ملک خیمۂ گردوں کی طنابیں
چھوٹیں شہِ بیکس کے جو قدموں سے رکابیں
صدمے سے لہو روتی تھیں تلواروں کی نابیں
دوڑے حرم اُلٹے ہوئے چہروں کی نقابیں
تھا شور کہ ناموسِ پیمبرؐ نکل آئے
بارہ قمر اک برج سے باہر نکل آئے

۹۸
غل ہائے حسیناؑ کا جو برپا ہوا اک بار
ڈرتا تھا کہ شانے پہ چلی ظلم کی تلوار
خیمے کو لگے دیکھنے مڑ کر شہِ ابرار
پہلو پہ تبر سر پہ لگا گرز گرا انبار
زہراؑ کا پسر توسنِ چالاک پہ تڑپا
گر کر گہرِ تاجِ علیؑ خاک پہ تڑپا

۹۹
مقتل میں جو کوتل نظر آیا فرسِ شاہ
لو صاحبو ریتی پہ گرا فاطمہؑ کا ماہ
سر پیٹ کے چلانے لگی بنتِ ید اللہ
گھر صاحبِ معراج کا تاراج ہوا آہ
جلادوں کا نرغہ ہے امامِ ازلی پر
سب مل کے چلو لاشِ حسینؑ ابنِ علیؑ پر

۱۰۰
آگے تو بڑھی بنتِ علیؑ چاک گریباں
بانو کے اُدھر مادرِ قاسم بصد افغاں
پیچھے چلی زہراؑ کی بہو باسرِ عریاں
کلثومؑ اِدھر منہ پہ بکھیرے بال پریشاں
چہرے پہ وہ تھپڑے سے دھرے ہاتھ سکینہ
ٹوپی کو اُتارے ہوئے تھی ساتھ سکینہ

۱۰۱
سر پیٹتے ہاتھوں سے حرم رن میں جو آئے
غش تھے شہِ دیں نرگسی آنکھوں کو پھرائے
دیکھی وہ قیامت کہ نہ اللہ دکھائے
بیٹھا تھا لعیں سینے کو زانو سے دبائے
صدمہ تھا عجب نزع میں شاہِ شہدا پر
ٹوٹا تھا پہاڑ آئینۂ نورِ خدا پر

۱۰۲
جب فوج کو ہاتھ اپنا بڑھاتا تھا ستمگار
زانو پہ دھرے تھے سرِ شہ احمدِ مختار
خنجر سے لپٹ جاتی تھی زہراؑ جگر افگار
رومال سے ڈھانپے تھے گلا حیدرِ کرار
کہتے تھے نہ کر ظلم امامِ ازلی پر
یہ حلقِ نبیؐ حلقِ حسینؑ ابنِ علیؑ پر

۱۰۳
سر پیٹ کے زینبؑ نے اُدھر سے یہ پکارا
کہہ دیجیے زندہ ہو اگر آپ کا پیارا
بابا مرے بھائی کو بچا لیجیے حیدر ارا
آتی ہے بہن دیکھنے دیدار تمہارا
اک دم کے لیے شمرِ ستمگار جو ہٹ جائے
یہ خستہ جگر دوڑ کے چھاتی سے لپٹ جائے

۱۰۴
فرما کے یہ آگے جو بڑھی زینبِ دلگیر
چلا کے یہ جب رونے لگی دخترِ شبیر
تلواریں لیے راہ میں حائل ہوئے بے پیر
بابا مرا کچھ بس نہیں اب کیا کروں تدبیر
ہوتی ہوں یتیم اشک بہانا نہیں ملتا
نزدیک ہیں آپ اور مجھے آنا نہیں ملتا

۱۰۵
بابا کہو کیا دل پہ گزرتی ہے تمہارے
صدقے گئی جیتے ہو کہ دنیا سے سدھارے
نکلی تو نہیں منہ سے زباں پیاس کے مارے
آواز نہ دی ہم تمہیں دو بار پکارے
بولو نہیں اب غم سے جگر پھٹتا ہے میرا
حضرت نے صدا دی کہ گلا کٹتا ہے میرا

۱۰۶
رن سے یہ صدا دی جو امامِ دوسرا نے
اعدا کو لگی نیچے سے ہاتھوں سے ہٹانے
منہ پیٹ لیا دخترِ شاہِ شہدا نے
گل کر دیا اُس شمعِ امامت کو قضا نے
مقتل میں سکینہ کو یہ ساماں نظر آیا
نیزے پہ سرِ سرورِ ذیشان نظر آیا

۱۰۷
چلائی کہ ہے ہے شہِ والا کا یہ سر ہے
ماتم کرو لوگو مرے شہیدا کا یہ سر ہے
آلودۂ خونِ دلبرِ زہراؑ کا پسر ہے
سر کھول دو اماں مرے بابا کا یہ سر ہے
میں لٹ گئی دنیا سے سفر کر گئے بابا
ہے ہے ابھی کٹوا کے گلا مر گئے بابا

۱۰۸
ہے ہے مرے بابا کا لہو کس نے بہایا
ہے ہے مرے بچپن پہ ذرا رحم نہ کھایا
ہے ہے مجھے کس نے مرے عاشق سے چھڑایا
ہے ہے مرے سر پر سے اُٹھا باپ کا سایا
یہ خشک گلا کون سے خونخوار نے کاٹا
آئی یہ صدا شمرِ ستمگار نے کاٹا

۱۰۹
بابا نہیں ملنے کا تم اب جاؤ سکینہ
یاں روح پہ صدمہ ہے نہ چلاؤ سکینہ
جلاد کھڑے ہیں نہ ادھر آؤ سکینہؑ
ہم جلد بلا لیں گے نہ گھبراؤ سکینہؑ
فردوس سے لینے کو تمہیں آئیں گے بی بی
یہ ہجر کے دن جلد گذر جائیں گے بی بی

۱۱۰
سن سن کے یہ تقریر سرِ سیدِ ابرار
مقتل سے چلے جب تو صدا آئی پھر اک بار
سر ہاتھوں سے پیٹے حرمِ احمدِؐ مختار
فوج آتی ہے زینبؑ مری بیٹی سے خبردار
لختِ جگرِ شاہِ مدینہ کو بچانا
ظالم کے طمانچوں سے سکینہؑ کو بچانا

۱۱۱
رانڈیں تو گئیں خیموں میں چہروں پہ ملے خاک
خاموش انیسؔ اب کہ جگر غم سے ہوا چاک
یاں لٹنے لگی سیدِ مظلوم کی پوشاک
تھرا گئے صدمے سے کفن میں شہِ لولاک
سیری ہوئی اس پہ بھی نہ کچھ فوجِ شقی کو
پامال کیا لاشِ حسینؑ ابنِ علیؑ کو

رباعی
کہتے تھے حسین لوٹ میں زر پائیں گے
یہ گوہرِ مقصود ملے گا اُس دم
اسبابِ شہِ جن و بشر پائیں گے
جب فاطمہؑ کے لال کا سر پائیں گے

رباعی
شہ کہتے تھے عاشقِ الٰہی ہوں میں
جی بھر کے مجھے دیکھ لو زینبؑ شبِ قتل
ہستی سے عدم کی سمت راہی ہوں میں
واللہ چراغِ صبح گاہی ہوں میں

رباعی
کیا کیا نہ چڑھا نظر پہ کیا کیا اُترا
جب جوش پہ آ کے تھم گئی طبعِ انیسؔ
پر نشہ نہ الفتِ علیؑ کا اُترا
ثابت یہ ہوا کہ چڑھ کے دریا اُترا

MarsiyaeMarsiya
www.emarsiya.com